P. O. RGD No. A/922

ہماری زبان

انجمن ترقی اردو (ہند) علیگڈھ کا پندرہ روزہ اخبار

قیمت فی پرچہ دو آنے | سالانہ چندہ دو روپے

جلد ۲ | ۱ | یکم جنوری سنہ ۱۹۵۳ء | ایڈیٹر قاضی عبدالغفار | ۱۳ ربیع الثانی ۱۳۷۲ ہجری | نمبر ۱

کچھ اپنی باتیں

علم و ادب - سیاست کا شکار

ہندستان اور پاکستان کی سیاسی اویزش نے جو حالات پیدا کر لیے ہیں آن سے تو ہم ان صفحات پر بحث نہیں کرتے لیکن افسوس اسکا ہے کہ اس سیاسی کشمکش میں علم و ادب بھی سیاسی نفاق کا بری طرح شکار ہو رہا ہے۔ اور جب تک وہ اسطرح شکار ہوتا رہیگا یہہ صورت حال ہندستان اور پاکستان دونوں کے لئے شرمناک ہوگی۔

صورت حال یہہ ہے کہ ہندستان و پاکستان بہ تمام دوسرے سیاسی اور سماجی اور معاشی علقات میں رخنہ پڑنے کی وجہ سے دونوں طرف ایک ایسی ذہنی فضا پیدا ہوگئی ہے کہ ہر معاملہ صرف سیاسی نقطہ نظر سے دیکھا جاتا ہے اور تہذیبی اور کلچرل قدرین نظر انداز ہوگئی ہیں۔ ہندستان یا پاکستان کے فرقہ پرست در قومی نظریات پر کتنا ہی زور دیں لیکن انسانی کلچر کے وسیع دایرے سے جو ملک بھی نکل جائیگا وہ اپنی ترقی میں خود رکاوٹ بن جائیگا۔

علم و ادب کا بڑا کام انسانی قدروں کے لئے ترقی کی فضا پیدا کرنا ہوتا ہے اور اس دور جدید میں علوم کی ترقی ہی ایک ایسا طریقہ ہے جس سے انسانیت کے نظریات ترقی پاتے ہیں اور قومیں باوجود سیاسی اختلافات کے انسانیت اور کلچر کی بنیاد پر ایک دوسرے سے قریب آتی ہیں۔

ہندستان کی تقسیم نے ہماری زندگی میں بڑی بڑی فولادی دیواریں کھڑی کر دی ہیں اور سب سے بڑی دیوار تو فرقہ پرستوں کے تعصبات کی دیوار ہے۔ اس سے بھی بڑا ایک پہاڑ جو کھڑا کر دیا گیا ہے وہ یہہ ہے کہ پاکستان اور ہندستان کے درمیان علم و ادب کے دریاؤں کا بہاؤ روکا جا رہا ہے۔ پاکستان کے اہل قلم ہندستان کے اہل قلم سے بہت دور ہوتے جاتے ہیں اور دونوں ملکوں کی ذہنی فضا میں یگانگت کا تقریباً خاتمہ ہو چکا ہے۔ دونوں ملکوں میں روپیہ کی درآمد و برآمد پر ایسی پابندیاں لگا دی گئی ہیں کہ اب کتابوں، رسالوں اور اخباروں کی خرید و فروخت تقریباً ناممکن ہوگئی ہے۔ قطع نظر آن مالی یا اقتصادی مصلحتوں کے جنکی بنا پر یہہ پابندیاں عاید کی

گئی ہوں، ہمیں تو صرف یہہ کہنا ہے کہ کم از کم علم و ادب کو تو ان پابندیوں سے محفوظ رکھا گیا ہوتا۔ سیاسی تعصبات اگر علم و ادب کی وسعت کو اسطرح تنگ کرینگے تو دونوں ملکوں کی تہذیب اور کلچر کو ناقابل تلافی نقصان پہنچیگا۔

اس معاملہ میں جو افراط و تفریط پیدا ہو رہی ہے اسکا ایک بہت ہی گھنونا پہلو یہہ ہے کہ دونوں طرف (پاکستان میں زیادہ اور ہندستان میں کم) کتابوں کے ناشر علمی چوری اور ڈکیتی کا ارتکاب کر رہے ہیں اور کوئی قانون ایسا نہیں جسکا انکے دل میں خوف ہو۔ ہندستان کی بہترین کتابیں مصنفوں کی اجازت کے بغیر پاکستان میں چھاپی اور فروخت کی جا رہی ہیں۔ ہزاروں اہل قلم اپنے جائز آمدنی و رابطہ سے محروم کر دیے گئے ہیں اور جائز طور پر انہیں یہہ شکایت ہے کہ پاکستان اب بھی ہندستان کی ایک بڑے علمی سرمایہ کو لوٹ رہا ہے۔ یہہ چوری اور لوٹ کسی بھی باعزت ملک کے لئے شرمناک ہے۔

لیکن یہہ حالت پیدا اس لئے ہوئی ہے کہ اس چوری اور ڈکیتی کو روکنے والا کوئی قانون پاکستان یا ہندستان میں نافذ نہیں۔ نہ ان دونوں ملکوں کے درمیان کاپی رایٹ کے متعلق کوئی ایسا معاہدہ ہے جس کی بنا پر دونوں ملکوں کے اہل قلم اور ایماندار ناشر چوروں کی اس دست درازی سے محفوظ رہ سکیں۔ تقسیم کو پانچ سال سے زیادہ گذر نے کے بعد بھی دونوں ملکوں کے درمیان کاپی رایٹ کے تحفظ کا کوئی معاہدہ نہ ہو سکا۔ ایسا معاہدہ کرنے کی ہندستان یا پاکستان کی حکومت نے اگر کوئی کوشش کی ہے تو وہ ہمیں معلوم نہیں۔ لیکن ہمارا گمان یہہ ہے کہ ایسا کیا ہی نہیں گیا اور یہہ دیکھتے ہوئے بھی کہ پاکستان کے ناشروں نے لوٹ مچا دی ہے اور انتہائی بے شرمی کے ساتھ اپنے ناجائز منافع کے لئے وہ ہندستان کے ادبی سرمایہ کو چرا رہے ہیں، اس وقت تک اس صورت حال کی اصلاح کی کوئی کوشش نہیں کی گئی۔ ہمارا خیال ہے کہ پاکستان اور ہندستان کے اہل قلم اور ایماندار ناشروں کو متحد ہو کر اپنی اپنی حکومتوں کو اس صورت حال پر توجہ کرنے پر مجبور کرنا چاہئے۔ اپنے ملک کی حکومت سے ہم بہ اصرار عرض کرتے ہیں کہ اور تمام جھگڑے تو ہوتے ہی رہینگے لیکن اس سیاسی کشمکش میں علم و ادب کی قدروں کو برباد نہ ہونے دینا چاہئے، ان قدروں کے ساتھ انسانی اخلاق کی قدریں بھی برباد ہو رہی ہیں۔

حکومت ہند کو چاہئے کہ وہ بہت جلد پاکستان کی حکومت کو توجہ دلائے اور پاکستان کا بھی یہہ فرض ہے کہ وہ فرقہ واری اور سیاسی تعصبات کی رو سے خالص تہذیبی اور کلچرل تحریکوں کو جنکا حامل ایک صالح ادب ہوتا ہے محفوظ کرے۔ اس غرض سے بہت جلد دونوں ملکوں میں کاپی رایٹ کے متعلق ایک معاہدہ ہو جانا چاہئے۔ ہندستان کے علمی اور ادبی اداروں کو خاص طور پر اس جانب توجہ کرنی چاہئے اور پوری قوت کے ساتھ اس صورت حال کے خلاف احتجاج کرنا چاہئے۔

تیسرا سال

انجمن ترقی اردو (ہند) کے نئے دور میں اخبار **ہماری زبان** صرف اس غرض سے جاری کیا گیا تھا کہ انجمن اور عوام کے درمیان اس ذریعہ سے زیادہ ربط قائم ہو اور انجمن کی جد و جہد سے اردو زبان کے ہمدرد زیادہ واقف ہوتے رہیں۔ ہم نے تین سال تک اپنا یہہ فرض انجام دیا، لیکن سوال یہہ ہے

کہ کچھہ فرض ہمارے پڑھنے والوں اور عوام پر بھی عاید ہوتا ہے، کیا انہوں نے بھی اپنا فرض انجام دیا؟

ہماری زبان کا چندہ صرف برائے نام دو روپیہ سالانہ مقرر کیا گیا تھا جو اسکے اخراجات کا تھوڑا حصہ بھی نہیں ہوتا بلکہ انجمن کو تین چار ہزار روپیہ سالانہ خسارہ برداشت کرنا پڑتا ہے۔ یہہ امید بیجا نہ تھی کہ ایک دو سال کے اندر یہہ خسارہ باقی نہ رہیگا اور خریداروں کی تعداد اتنی ہو جائیگی کہ **ہماری زبان** کا چندہ اسکے اخراجات کا کفیل ہو سکیگا۔ لیکن ایسا نہ ہو سکا۔ کیوں ایسا نہ ہو سکا

یہہ بات ہمارے پڑھنے والے اور اردو زبان کے ہمدرد اپنے دلوں سے پوچھیں

بار بار انجمن کی شاخوں کو بھی انکا فرض یاد دلایا گیا، لیکن سوائے دو تین شاخوں کے کسی شاخ نے یہہ کوشش نہیں کی کہ اسکے اراکین **ہماری زبان** کو خریدیں۔

گذشتہ سال بھی میں نے ان حالات سے تنگ آ کر اپنا یہہ ارادہ ظاہر کیا تھا کہ میں **ہماری زبان** کو بند کر دونگا لیکن علاقائی تحریک کی ضرورتوں نے مجبور کیا کہ کچھہ روز اور اس کو جاری رکھوں۔

علاقائی زبان کی تحریک میں اردو زبان کے ہمدردوں نے جس جوش اور خلوص کا اظہار کیا اس جوش اور خلوص کا کوئی ایک چھوٹا سا جزو بھی **ہماری زبان** کو نصیب نہ ہو سکا۔ **میں ہماری زبان کی توسیع اشاعت کو ایک پیمانہ سمجھتا ہوں جس میں میں ہمدردوں کی ہمدردی کو تولتا ہوں اور مایوس ہوتا ہوں** جب یہ دیکھتا ہوں کہ یوں تو سارا جوش و خروش ظاہر ہوتا ہے لیکن بقول شاعر

گر جان طلبی مضایقہ نیست
گر زر طلبی سخن درایں است

اس کسوٹی پر اردو کے حامیوں کو رکھ کر مجھے نتیجہ مایوس کن حاصل ہوتا ہے۔ اگر سوال کسی بڑی رقم کا ہوتا تو میں مان لیتا کہ عام اقتصادی حالات ایسے ہیں جنمیں یہ امید کرنا صحیح نہیں کہ ہر شخص **ہماری زبان** کا چندہ ادا کر کے انجمن سے زیادہ ربط پیدا کریگا۔ لیکن اگر اردو کی ہمدردی کی قیمت دو روپیہ بھی نہیں ہے تو ہماری زبان کی اشاعت کی دردسری ایک سعی لاحاصل ہے اور تضیع اوقات ہے۔

انجمن کا مالی سال یکم اپریل سے شروع ہوتا ہے ورابندہ تین مہینوں میں بھی اگر **ہماری زبان** کی اشاعت کا یہی حال رہا تو میں اسے یقیناً بند کر دونگا۔

یہ اخبار کسی کاروباری منافع کے لئے جاری نہیں کیا گیا۔ ایسا ہوتا تو اشتہاروں اور دوسرے ذرایع سے میں اسکے اخراجات کو پورا کرنے کی کوئی سبیل نکالتا لیکن یہ اخبار تو صرف اس لئے ہے کہ عام ہمدردوں اور انجمن کے درمیان ہمدردیوں اور دلچسپیوں کی ایک کڑی بن جائے اور انجمن کی تحریکوں سے اسکے ہمدردوں کی ہمدردی کا ایک آئینہ بنے۔ اگر ایسا نہیں ہو سکتا تو میرا یہ کام نہیں ہے کہ میں اسکو جاری رکھنے کے لئے دو روپیہ دینے والوں سے رحم و کرم کی اپیل کرتا رہوں۔ **ہماری زبان** بند کر دیا جائیگا۔

محمد عبد الغفار

روئداد کارگزاری

ایم۔پی۔ اسٹیٹ انجمن ترقی اردو (ہند)

ناگپور

(مرتبہ عبد الستار فاروقی صاحب)

غالباً مئی ۱۹۵۱ کی بات ہے کہ مجھے اور شاکر صاحب کو ایک تار ملا کہ قاضی عبد الغفار صاحب براہ ناگپور حیدرآباد جارہے ہیں اور یہ کہ موصوف کو بڑی خوشی ہوگی اگر ہم لوگ ان سے اسٹیشن پر ملاقات کریں۔ ہم نے اپنی خوش نصیبی سمجھی اور اسٹیشن پر موجود ہو گئے۔ ہمارے علاوہ قاضی صاحب کا نام سنکر اور دوسرے اردو کے بہی خواہ جن میں میرے نوجوان دوست اور اردو کے پرجوش خادم فیض انصاری صاحب قابل ذکر ہیں موجود تھے۔ قاضی عبد الغفار صاحب سخت بیمار ہو کر بغرض علاج حیدرآباد جارہے تھے۔ نقاہت سے انہیں زیادہ بات کرنا بھی دشوار تھا۔ لیکن اردو کی خدمت و اشاعت کی لگن نے اس سفر کو بیکار جانے دینا مناسب نہ سمجھا۔ قاضی صاحب نے نہایت آہستگی سے لیکن پوری دردمندی کے ساتھ یہ خواہش ظاہر کی کہ ہم لوگ انجمن ترقی اردو کا قیام عمل میں لائیں اور یہ بھی کہا "میری ضرورت ہو تو میں ایک دفعہ اور یہاں آنے کو تیار ہوں"

ہم لوگوں نے اپنی رضامندی ظاہر کی اور قاضی صاحب سے عرض کیا گیا کہ وہ اپنی صحتمندی پر اطلاع کریں۔ چنانچہ قاضی صاحب نے ہمیں تاریخ دی اور جولائی ۱۹۵۱ ع میں انجمن ہال ناگپور میں پہلا اردو کا کنونشن ہوا جسمیں صوبے کے دور و نزدیک سے اردو کے بہی خواہ جمع ہوئے اور ہر ایک نے اسکی ضرورت کو محسوس کیا کہ اس صوبے میں انجمن ترقی اردو قائم کی جائے۔ اسکے لئے ایک عارضی کمیٹی جسمیں تقریباً ہر ضلع کو نمائندگی دی گئی تھی۔ اٹھارہ ارکان پر مشتمل بنادی گئی اور خاکسار کو اسکا کنوینر بنایا گیا۔

ایک جلسہ جناب بیرسٹر محمد یوسف شریف صاحب کے بنگلے پر منعقد ہوا جس میں عارضی کمیٹی کے ممبران خاص نے بتعداد کثیر شرکت کی اور قواعد وضوابط کے مسودے کو کچھ ترمیم و تنسیخ کے بعد منظور کیا۔

قواعد و ضوابط کو ایک پمفلٹ کی صورت میں شائع کرنے کے ساتھ ہی ہم نے عارضی کمیٹی کے تمام ممبروں کی دستخط سے ایک چھوٹا سا اشتہار کثیر تعداد میں شائع کیا اور لوگوں سے اپیل کی کہ وہ اگر ایک طرف اسٹیٹ انجمن کے قیام میں ہماری مالی اعانت کریں تو دوسری طرف اپنے یہاں ۵ آنے والے کم سے کم ۲۵ ممبر بنا کر شاخ کا قیام عمل میں لائیں۔ اس کام کے لئے اشتہار اور ۵ آنے والی رسیدیں بھی اسٹیٹ انجمن نے مہیا کیں اور محمد صدیق اختر صاحب پروپیگنڈہ سکریٹری نے رائپور۔ آکولہ۔ امراؤتی۔ ملکاپور میں بلاخرچ دورے کئے اور قیام شاخ کا پیغام پہنچایا۔ لوگوں میں اردو کی ترقی

اور اشاعت کا جذبہ موجود تھا۔ تھوڑے سے پروپیگنڈے نے کافی اثر کیا اور چھہ ماہ کے قلیل عرصے میں صوبے کے طول و عرض میں شاخیں قائم ہو گئیں۔ ۶۲ مقامات پر آج باقاعدہ شاخیں قائم ہیں برہانپور اور رائپور کی پرانی شاخوں کی جو مرکز سے ملحق تھیں منظوری دی گئی شاخوں کے قیام میں عارضی کمیٹی کے ممبر جناب حافظ جمیل الرحمن صاحب نے جو دلچسپی لی ہے وہ قابل صد ستائش ہے۔ اگر حافظ صاحب کی طرح دوسرے حضرات بھی دلچسپی لیں تو میرا یقین ہے کہ صوبہ کا کوئی قابل ذکر شہر اور گاؤں ایسا نہیں رہ جائیگا جہاں شاخ کا قیام نہ ہو سکے۔

آردو کے دلدادہ امکان بھر آردو مدارس کو بند ہونے سے بچاتے ہیں مگر حکومت کی اور اسکے کل پرزوں کی مخالفانہ اور معاندانہ روش کے باعث انکی کوئی کوشش بار آور نہیں ہوتی اور وہ اپنی اس بے چارگی پر کہ ہم اپنے بچوں کو انکی مادری زبان میں بھی ابتدائی تعلیم نہیں دے سکتے دل مسوس کر رہ جاتے ہیں۔ یہہ جو کہا جاتا ہے کہ اگر ایک جگہ چالیس بچے بھی میسر ہوں تو انکو انکی منظورہ مادری زبان میں تعلیم کا انتظام ہوگا محض ایک دل بہلاؤ اور فریب ہے۔ حکومت کی اس روش نے لوکل باڈیز اور متعصب کارپردازوں کے حوصلے بڑھا دیئے ہیں اور وہ جب چاہتے ہیں ایک بہانے بہولتے آردو اسکول کو بند کر دیتے ہیں اور ہمارے بچوں کو مجبور کیا جاتا ہے کہ وہ آوارہ پھریں یا مرہٹی اور ہندی پڑھیں۔ ہم کو اپنے علاقے کی سرکاری زبان کو پڑھنے سے انکار نہیں ہے۔ ہم صرف یہہ چاہتے ہیں کہ ہمارے بچوں کو انکی مادری زبان میں ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کا حق رہے۔ مجھے یہہ بتلاتے ہوئے خوشی ہوتی ہے کہ کامٹی اور سیاونی کے کارکنان انجمن ترقی آردو نے اپنی جد وجہد سے مقامی آردو اسکولوں کو بند ہونے سے بچا لیا ہے۔ مگر بیشتر مقامات کے آردو پرائمری اسکولوں کو بند ہونے سے نہ بچایا جا سکا۔

ہمارے پاس اس امر کے کافی ثبوت ہیں کہ انجمن ترقی اردو مدھیہ پردیش حکومت کی نظر میں ایک فرقہ وارانہ جماعت ہے اور اس جماعت سے تعلق رکھنے والے لوگ حکومت کی نظر میں فرقہ پرست ہیں۔ سرکاری ملازموں نے بجا طور پر اسے ایک لسانی ثقافتی ادارہ سمجھہ کر قبول کر لیا۔ مگر حکومت کے تیور دیکھہ کر اس سے علحدگی اختیار کرتے جاتے ہیں۔ دوسری طرف جہاں شاخیں قائم ہوئی ہیں وہاں پولس نے ان کے ارکین کے نام لکھنا ضروری سمجھا ہے۔ حکومت کی ان کارروائیوں سے صاف ظاہر ہے کہ لسانی اور ثقافتی آزادی کا محض نام ہے اور عملا اس کو کچلا اور روندا جارہا ہے۔

کامٹی سے ہم ایک بلڈنگ کی تعمیر اور لائبریری کے لئے کافی رقم اکٹھا کر چکے تھے۔ آج بھی بلڈنگ زیر تعمیر ہے۔ یہہ ایک دو منزلہ عمارت ہوگی۔ نیچے کی منزل بن چکی ہے اور اس میں کتب خانے کی ابتداء کر دی گئی ہے انجمن ترقی آردو کا دفتر اسی بلڈنگ میں رہے گا۔

"مدھیہ پردیش میں اردو"

اس نام سے ایک کتاب صوبائی انجمن کے زیر ترتیب ہے۔ اس میں ماضی اور حال کا جائزہ لیا جائے گا۔ مسٹر فیض انصاری اور میں اس سلسلے میں کام کر رہے ہیں۔ ماضی کے احوال پر جو ایک ہلکا سا پردہ پڑا ہوا ہے۔ اس کو سرکانے سے عجیب و غریب باتیں ظاہر ہوتی ہیں۔ شاید آپ یہہ سنکر تعجب کریں گے کہ سنہ ۱۸۶۰ ع سے ۱۹۱۰ ع تک آردو سرکاری دفتروں میں رائج تھی اور صوبے کے اہم مقامات پر آردو میں دستاویزات اور مکانوں کے قبالے لکھے جاتے تھے۔ اس زبان کو ہمارے انگریز حاکم ہندوستانی کہتے تھے۔ سنہ ۱۸۶۶ ع میں ناگپور سے ایک آردو اخبار "ترجمان ہند" نکلتا تھا۔ دراصل ناگپور میں مرہٹی کے بعد ہندوستانی (آردو) کو ہی پھلنے پھولنے کا موقع تھا۔ مرہٹی۔ فارسی اور عربی الفاظ کی آمیزش سرکاری دربار زبان میں رہی تھی اور آردو کو بھی ان ہی بدیسی مگر ترقی یافتہ زبانوں کا سہارا تھا۔ اس لئے انگریزوں نے ہندوستانی کو سرکاری دربار میں جگہ دی تھی۔ غرضکہ ہماری زیر ترتیب کتاب "مدھیہ پردیش میں آردو" حیرت انگیز معلومات کا ذخیرہ ہوگی اور اس میں ان تمام معلومات کو یکجا کر دیا جائیگا جس کو شاخوں نے فراہم کیا ہے تاکہ حال میں آردو کے ساتھ جو ناروا سلوک کیا گیا ہے وہ بھی آئینہ ہو جائے"۔

اس گونڈوانے میں بھی آردو فارسی اور عربی کے ایسے مخطوطات موجود ہیں جن سے

ہمارے لٹریچر میں اچھا اضافہ ہوسکتا ہے اور بہت سی ڈھکی چھپی باتیں اجاگر ہوسکتی ہیں اس لئے میری دلی خواہش ہے کہ ان مخطوطات کی تلاش و جستجو کی جائے۔ ہوسکے تو ان کو یکجا جمع کیا جائے۔ ورنہ ان کی فہرست مرتب کی جائے۔ ابھی ہم نے جو پبلک لائبریری کاسٹی میں قائم کی ہے۔ اس میں ایک صاحب نے اپنی پرانی کتابوں کا ذخیرہ دیا ہے۔

ہلکے ہلکے اشارے

—— دہلی سے ادیب فاضل کے کامیاب طلباء غیر مسلم ۴۴۔ مسلمان ۱۱۔ کپارٹمنٹ میں آئے ہوئے (جو دوبارہ امتحان دے سکتے ہیں) ۱۴ غیر مسلم ایک مسلمان پیپسو۔ امرتسر، جالندھر، کانگڑہ اور شملہ سے ۶ غیر مسلم ادیب پیپسو فیروزپور، جالندھر، دہلی، امرتسر اور لدھیانہ سے مسلمان ۱۲۔ غیر مسلم ۱۲۔ کپارٹمنٹ میں دو (غیر مسلم) پنجاب یونیورسٹی کے ادیب فاضل کے امتحان میں پورے پنجاب، پیپسو اور دہلی میں مسٹر شیام سندرلال پروپرائٹر "اشوک مصحیے" شہید گنج سہارنپور ۳۴۴ نمبر حاصل کر کے اول آئے۔ اور ان کی اس کامیابی نے پچھلے تمام ریکارڈ مات کر دئے

—— آخر یہ کیا ہو رہا ہے۔ ایک "غیر ملکی" زبان کے امتحانات اہل ملک کیوں پاس کر رہے ہیں! ان امتحانوں میں جن لوگوں کی، مادری زبان اردو ہے وہ اپنے برادران ملک سے آگے تو کیا پیچھے نظر آرہے ہیں۔ یہ کیسی "غیر ملکی" زبان ہے اور کیا اسکا جادو ہے! پھر بھی اسکو تو علاقائی زبان کے اعزاز سے ضرور محروم رکھا ہے!! اور سچ تو یہ ہے کہ اب آخر ادیب اور ادیب فاضل کے امتحانوں کی ضرورت ہی کیا ہے۔ مشکل یہ ہے کہ پنجاب کے شرنارتھی آئے تو وہ بھی اردو اردو پکارتے آئے۔ وہ کہتے ہیں اردو اور پنجابی انکی علاقائی زبانیں ہیں۔ اس کے لئے وہ لڑ رہے ہیں۔

—— یہ ایک لطیفہ ہے کہ پنجاب میں جہاں مسلمانوں کا نام و نشان نہیں اردو کا بول بالا ہے مگر وہ علاقائی زبان نہیں ہوسکتی تو اترپردیش میں! اور یہ ہم کس سے کہیں کہ پنجاب میں کون سی فرقہ واری تحریک چل رہی ہے جس نے اردو کو زندگی بخشی ہے!! فرقہ واریت کا

کچھ بگاڑ ہوتا تو مشرقی پنجاب میں ہوتا مگر یہ بھوت نظر آتا ہے اترپردیش میں!! اپنی اپنی نظر اور اپنا اپنا خیال!۔ اسکے سوا ہم کیا کہیں!!

خرد کا نام جنوں رکھدیا جنوں کا خرد!

—— ملک کے قدیم ادیبوں اور شعرا کی یادگار ڈاک کے ٹکٹ جاری کرنے کا خیال بہت اچھا ہے، پچھلے ۹ ٹکٹ جو جاری ہوئے ہیں ان میں سے ایک پر غالب کی تصویر ہے—لیکن غالب کی ایک درجن تصویروں میں سے سرکاری آرٹسٹ کو تصویر وہ ملی جو سب سے بری ہے۔ بہرحال یہی کیا کم ہے کہ غالب کا شمار بھی قدیم استادان فن میں ہوا حالانکہ وہ اردو اور فارسی کے شاعر تھے جو غیر ملکی زبانیں ہیں!!

—— لیکن لطیفہ یہ ہے کہ اردو اور فارسی کے اس شاعر کی یادگار پر ایک حرف اردو کا نہیں حالانکہ وہ دلی کا شاعر تھا اور دہلی کی زبان آج بھی زیادہ تر اردو ہے۔ غالب کے ساتھ اردو کے دو حرف بھی اگر اس ٹکٹ پر آجاتے تو جمہوریت کا کوئی اصول مجروح نہ ہوتا!

—— بہرحال جانے دیجئے، شکریہ ضروری ہے اور شکوہ کا کوئی محل نہیں!!

شملہ کی ایک خبر میں بتایا گیا ہے کہ مشرقی پنجاب کی حکومت ۲۶ جنوری سنہ ۱۹۵۳ع سے ایک اردو روزنامہ جاری کرے گی حکومت کے مالیاتی سکریٹری نے وزیر اعلیٰ مسٹر سچر کو بتایا کہ اس قسم کا اخبار نکالنے میں دو لاکھ روپیہ سالانہ کا گھاٹا ہوگا تاہم مسٹر سچر نے اس تجویز کو منظور کر لیا ہے مشرقی پنجاب کی حکومت محکمہ اطلاعات کے ہندی ماہنامہ پردیپ اور گورمکھی ماہنامہ "پربھوڈ" کو بند کر دے گی اور دوسری تخفیفیں عمل میں لائے گی لیکن اردو روزنامہ ضرور جاری کرے گی۔

خدا کرے یہ خبر غلط ہو اس لئے کہ اگر صحیح ہوگئی تو ہمارے نامہربان مہربانوں کے دلوں کو ٹھیس لگائیگی! سچر صاحب اگر اترپردیش کے وزیر اعظم ہوتے تو اس بے راہ روی کی بنا پر انکے خلاف عدم اعتماد کی تحریک پیش ہوجاتی!!

--- کشمیر کی حکومت نے اپنے ملک کے صدر کا نام بجائے راج پرمکھ کے "سردار ریاست" رکھا ہے۔ یہہ بات کچھہ اچھی نہیں جب ہی تو ہم کہتے ہیں اور بابو شاما پرشاد مکرجی بھی کہتے ہیں اور ڈاکٹر کھرے بھی فرماتے ہیں کہ شیخ عبد اللہ کچھہ قابل اعتبار آدمی نہیں ہیں!

--- اب بھی وہ سوچ لیں اور اس بدیسی زبان کے بجائے کوئی شدھ زبان اختیار کریں --- ورنہ ابھی تو جھگڑے میں بہت بکھیڑے ہونگے!

--- پولیٹیکل کانفرنس میں مسٹر شرما نے فرمایا کہ وہ آردو کے مخالف نہیں اور کسی کا یہہ ارادہ نہیں ہے کہ آردو یا آردو دانوں کے لئے رکاوٹیں پیدا کی جائیں۔ بلکہ آردو کے لئے تو ضروری آسانیاں فراہم کی جائیں گی!

--- اور ان "آسانیوں" کی صورت یہہ ہے کہ:۔

اتر پردیش کے مدرسوں کے ابتدائی درجوں میں بھی مادری زبان کو ذریعہ تعلیم بنانے کا اصول مسترد فرمایا گیا!

اشک شوئی کے لئے جو احکام جاری فرمائے گئے ان کی تعمیل نہ ہوسکی!

آردو کے مدرس برخاست کردیے گئے!

مدرسین کے ٹریننگ اسکولوں میں آردو والوں کا داخلہ مشکل یعنی ناممکن ہوگیا!

وغیرہ وغیرہ

--- اس معاملہ میں کانفرنس کی غیرجنبہ داری کا ثبوت شرما جی نے یہہ پیش فرمایا کہ وہ آردو کے مشاعرے میں شریک ہوئے، بلکہ اس کی صدارت فرمائی۔

--- ٹنڈن جی اپنی تقریروں میں غالب کے شعر پڑھتے ہیں تو پھر شرما جی کے مشاعرے میں شرکت اور اس کے بعد آردو کے خلاف رزولیشن پاس کرنے پر حیران ہونے کی ضرورت نہیں!

--- آئیے! اب ذرا ٹنڈن جی کی بات بھی سن لیجئے۔ انہوں نے فرمایا کہ ہم کو سمجھتے تھے کہ آردو کی نعش دفن ہوچکی، لیکن لکھنو اور علی گڈھ نے ہمارے "اندیشوں" کو پھر جگا دیا۔ مگر اب تو اس زبان کا ہمیشہ ہی کے لئے خاتمہ کردیا ہے!

--- ٹنڈن جی شرما جی سے زیادہ کھرے اور سچے آدمی معلوم ہوتے ہیں! انہوں نے مردے اور اس کی قبر کا پھر ذکر کردیا اور اپنے بیان میں مشاعرے کی چاشنی نہیں دی۔

--- اب اس کو کیا کیجئے کہ ٹنڈن جی قبر کھود رہے ہیں اور مردہ روز بروز زیادہ زندہ ہوتا جارہا ہے! پھر آخر اس فتنہ کا خاتمہ کیونکر ہوگا! --- سوچئے سوچئے! اور دوستوں سے مشورہ کیجئے۔ پولیٹیکل کانفرنس کے رزولیشن میں کچھہ زیادہ دم نہیں معلوم ہوتا!

--- سب سے زیادہ نشاط انگیز یہہ واقعہ ہے کہ اس قرارداد کی تائید کرنے والوں میں ایک نام ہے سلطان پور کے کسی ناظم صاحب کا ہے اور دوسرا اعظم گڈھ کے "مولوی" عبد اللطیف صاحب کا! ان حضرات کی وجہ تسمیہ ہمیں معلوم نہیں لیکن یہہ تو ظاہر ہے کہ ان کی مادری زبان آردو نہیں ہوسکتی کچھہ اور ہوگی۔ یا یوں کہا جائے کہ کبھی مادری زبان آردو تھی مگر اب نہیں ہے۔ باپ دادا کے ساتھہ رخصت ہوگئی۔ ہم اس انتظار میں ہیں کہ ان بزرگوں سے تعارف ہوجائے تو ہم ان کا تعارف ہماری زبان کے ناظرین سے کرائیں۔ کوئی صاحب اگر ان حضرات سے ہمارا تعارف کرا سکتے ہوں تو ہم دلی مسرت کے ساتھہ ایسے بالغ نظر بزرگوں سے نیاز حاصل کرینگے۔ ہمیں تو یہہ معلوم کرکے بہت تسکین ہوئی کہ

ابھی کچھہ لوگ باقی ہیں جہاں میں !!

--- لکھنو میں ایک مشہور لائبریری ہے جس کے متعلق یہ خبر اخباروں میں آئی ہے کہ جب گورنر وہاں گئے تو سکریٹری صاحب جو سوئے اتفاق سے "راجہ" بھی ہیں۔ یہ تو فرمایا کہ کتب خانہ میں انگریزی اور ہندی کی کتابوں کا بہت بڑا ذخیرہ ہے، لیکن اردو کا نام نہیں لیا (جسکا ذخیرہ نسبتاً بہت بڑا ہے)۔ اسکو "دیگر زبانوں" کے پردے سے ڈھانپ دیا گیا۔ مبادا ایسا نہ ہو کہ گورنر صاحب کے کان تک یہہ ناخوشگوار آواز پہنچ جائے؟

--- اخباروں میں یہ خبر چھپی ہے کہ راجہ صاحب نے جو سپاس نامہ پڑھا وہ اعلے درجہ کی ادبی ہندی میں لکھا گیا تھا اس لئے راجہ صاحب موصوف کی گاڑی چلتی نہ تھی اور محترم صدر

انکی اس دشواری پر مسکر رہے تھے !۔۔۔وہ مسکرائے تو کیا کرتے!۔۔۔ہمیں افسوس اخلاق جرات کی کمی کا نہیں بلکہ "فہم عامہ" کی کمی کا ہے !!۔

۔۔۔وزیر اعظم نے گوالیار میں تقریر کرتے ہوئے مکانوں اور سڑکوں کے ناموں کو بدلنے کے رجحان کا مذاق اڑایا !۔۔۔اگر "پیچھے چلو" کا اصول آزاد ہندوستان کے نیتاوں کو عزیز ہے تو پھر وزیر اعظم کے "مذاق" اور "تنبیہ" کا اثر نہ پہلے ہوا اور نہ اب ہوگا۔۔۔مزا تو یہ ہے کہ وزیر اعظم آگے بڑھتے رہیں اور انکی فوج پیچھے ہٹتی رہے!

۔۔۔کانگرس کے اخبار "نیشنل ہیرلڈ" نے بنارس کی پولیٹیکل کانفرنس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ :۔۔

"حکومت کے نام اس ادارے کا ایک پیغام ایک غیر سرکاری قرارداد کی شکل میں بھیجا گیا جسمیں اردو کو ریاست کی دوسری زبان بنانے کی جدو جہد کی مذمت کی گئی ۔ ان "شورش" کرنے والوں میں (جو اردو کو علاقائی زبان بنانا چاہتے) ہیں سب ایسے لوگ ہیں جو عمر بھر کانگریس کے ساتھ رہے ہیں اور اس لئے توجہ کے مستحق ہیں، لیکن اردو کو نظر انداز کرنے کے الزامات کا جواب دینے کے بجائے حکومت نے اس مفروضہ پولیٹیکل کانفرنس کے رزولیوشن سے ایک سند حاصل کرلی ہے۔"

۔۔۔مگر تعجب کی کیا بات ہے اگر آجکل کانگریسی لوگ کانگریسی لوگوں پر کیچڑ اچھالنے کے دلچسپ مشغلہ میں مصروف رہتے ہیں، جہاں اور بہت سے "کھیل" کھیلے جا رہے ہیں وہاں ایک یہ بھی سہی !۔۔۔لیکن ہونا یہ چاہئے ۔ کہ کانگریس انجمن کے ان تمام اراکین کے خلاف کوئی "تادیبی کاروائی" کرے۔ "تادیبی کاروائی" آجکل بہت سستی ہے !!

انجمن کی خبریں

متھرا

۱۹ دسمبر کو متھرا میں انجمن ترقی اردو ضلع متھرا کے زیر اہتمام اردو علاقائی زبان کمیٹی کی اردو دستخطی مہم کو تیز تر بنانے کے لئے مقامی طور پر یوم اردو بڑی شان شوکت سے اور جوش و خروش کے ساتھ منایا گیا اس سلسلہ میں بعد نماز جمعہ جامع مسجد متھرا میں ایک جلسہ بھی منعقد کیا گیا جسکی صدارت فخر الاطباء عالیجناب حکیم سید ظہیر الحسن صاحب مونسپل کمشنر متھرا نے فرمائی حاضرین کی لوگوں میں اس مہم سے کافی دلچسپی پائی جاتی تھی جلسے کی کاروائی تلاوت قرآن پاک کے بعد شروع ہوئی اور اردو کے عنوانات پر مقامی شعرا اور دیگر ارباب ذوق اور اسکول کے ہونہار طلباء نے نظمیں پڑھیں جس میں پروفیسر راج بہادر صاحب سکمینہ اور اوج ایم-اے کی نظم "فریاد اردو" جسکو دیس راج طالب علم نے پڑھکر سنایا بہت مقبول ہوئی - جناب مومن صاحب، جناب مرزا انوار بیگ صاحب اور جناب یعقوب صاحب کی نظمیں بھی پسند کی گئیں اس کے بعد اردو کے عنوان پر ونیز اردو کو علاقائی زبان تسلیم کرانے کی جدوجہد کے سلسلہ میں مختلف حضرات نے تقاریر فرمائیں ۔

جناب وحشی نے اپنی تقریر میں متھرا کے صاحب ثروت حضرات سے خاص طور سے اپیل کی کہ وہ اس مہم میں خاص طور سے معاونت فرمائیں کیونکہ ان کی خصوصی معاونت سے اس مہم کو کافی کامیاب بنایا جا سکتا ہے ۔ درمیان میں سکریٹری انجمن ترقی اردو متھرا نے اپنی رپورٹ پڑھی جو بہت پر مغز اور اثر میں ڈوبی ہوئی تھی اور جلسہ کے اختتام پر صدر جلسہ نے اپنی مختصر لیکن جامع اور پر مغز تقریر میں کہا کہ ہم کو ہر ممکن قربانی دیتے ہوئے اس مہم کو کامیاب بنانا ہے ۔

کانپور

کانپور اردو علاقائی دستخطی مہم کو تیز کرنے کے لئے جمیعۃ العلماء کانپور کی طرف سے ایک خصوصی جلسہ فیض عام ہائی اسکول میں ہوا ۔ مسٹر حیات اللہ انصاری سکریٹری اردو علاقائی زبان کمیٹی نے اپنی ایک گھنٹہ کی تقریر میں فرمایا کہ اردو علاقائی زبان کمیٹی کی یوپی بھر میں ۲۲۰ شاخیں قائم ہوچکی ہیں اور لکھنو دفتر کو اب تک پونے سات لاکھ دستخط موصول ہو چکے ہیں نیز تقریباً ۳ لاکھ دستخط دیگر اضلاع میں ہو چکے ہیں جو ابھی دفتر لکھنو میں وصول نہیں ہوئے دو چار یوم میں

آجائینگے۔ رمضان شریف اور امتحانات کی وجہ سے ہمارا یہہ کام کچھہ سست ہو گیا تھا مگر اب پھر زور دار طریقہ سے کام شروع ہو گیا کانپور جمعیۃ العلماء آردو علاقائی زبان تحریک کے سلسلہ میں ابہاں ایک اردو کانفرنس کر چکی ہے۔ اور دستخطی مہم کو اب وہ یہاں چلا رہی ہے۔

آپ نے نہایت موثر انداز میں فرمایا کہ آردو یوپی سے ختم ہوتی ہے تو آپ سمجھہ لیں کہ ایک بہت بڑا کلچر ختم ہوتا ہے اور یوپی کے دو کروڑ باشندے اندھے اور جاہل ہو جائیں گے۔ یاد رکھئے کہ آردو ختم ہونے سے جتنا ہمارا نقصان ہے اتنا ہی اور قوم کا اور ملک کا نقصان ہو گا۔ ایک بہت بڑی عمارت ہے جو مسمار ہو جائے گی۔ آخر میں آپ نے نہایت دردمندانہ اپیل کی کہ ہم آپ سے آردو کی بقاء اور تحفظ کے لئے آپ کی زندگی کے صرف ۲۴ گھنٹے مانگتے ہیں جس میں آپ دستخطی مہم میں حصہ لیں۔ کیا آردو کے خاطر آپ اتنی سی بھی قربانی نہیں کر سکتے؟ مسٹر حیات اللہ انصاری نے جو غلط فہمیاں انجمن ترقی آردو کی طرف سے ہیں ان کا بھی نہایت وضاحت سے جواب دیا۔ آپ نے فرمایا کہ کانپور کے ایک روزنامہ میں ایک بیان انجمن ترقی آردو کے خلاف راجہ رام صاحب سوشلسٹ پارٹی بنارس کا شایع ہوا تھا جس میں انجمن مذکور پر کڑی نکتہ چینی کی گئی تھی اور بے بنیاد الزامات لگائے گئے تھے۔ میں نے راجہ رام صاحب کو بنارس ایک تار دیا۔ چنانچہ راجہ رام صاحب نے لکھنؤ آکر مجھہ سے ملے۔ اور انہوں نے اس خبر کی تردید کی اور فرمایا کہ میں نے کوئی بیان نہیں دیا۔ راجہ رام صاحب نے ایک تردیدی بیان بھی دفتر یوپی علاقائی زبان کنٹی کو دیا ہے۔

ہر پنجابی اردو کی حفاظت کرے
(روزنامہ اجیت جالندھر کا اداریہ)

آردو ایک زبان ہے۔ اور زبان بھی زندہ اس میں کوئی شک نہیں کہ اس زبان کو زیادہ مسلمانوں نے اپنایا۔ اس کی دو وجوہات ہیں۔ ایک یہہ کہ آردو کی لپی یعنی رسم الخط فارسی رکھی گئی تھی۔ اور دوسرے یہہ کہ اس زبان نے مسلمانوں کے عہد میں جنم لیا۔ مگر اس کا مطلب یہہ نہیں کہ آردو مسلمانوں کی زبان ہے ضرورت ایجاد کی ماں ہوتی ہے۔ آردو کا جنم ایک بہت بڑی ضرورت کو پورا کرتا تھا ہندی اور برج بھاشا بہت مشکل زبانیں تھیں۔ اس لئے ہندوستان کے لئے ایک ایسی زبان کی ضرورت تھی۔ جسے عام ہندو اور مسلمان سمجھہ سکیں۔ اور جسے صحیح معنوں میں ہندوستانی کہا جاسکے۔ ایسی زبان کی جگہ آردو نے لی یہہ ملی جلی زبان تھی۔

فرقہ پرستی کا اس قدر زور ہے کہ ہم آردو کے لئے اتنی بھی آواز بلند نہیں کر سکتے کہ اسے ایک لازمی مضمون بنا دیا جائے۔ اور مڈل اسٹینڈرڈ میں اسے پڑھانیکا انتظام کیا جائے۔ چاہئے تو یہہ تھا کہ مڈل اسٹینڈرڈ میں آردو کو لازمی مضمون قرار دیا جائے مگر حقیقت یہہ ہے کہ آردو کے قاتلوں نے اختیاری مضمون کے طور پر بھی اس کی حوصلہ شکنی کی ہے۔ حالانکہ اسے اگر اختیاری زبان قرار دے دیا جائے تو اس کے لئے سرکار کو خاص خرچ کرنے کی ضرورت نہیں پڑتی۔ کیونکہ اس وقت سارے ہی ٹیچر آردو پڑھا سکتے ہیں۔ وہ اسی مشترکہ پنجاب کے ٹیچر ہیں جس میں آردو لازمی زبان کے طور پر پہلی جماعت میں پڑھائی جاتی تھی۔ پنجاب تو بھلا پھر بھی پنجاب ہے اور قوم پرست اور فرقہ پرستوں کا پنجاب ہے مگر آردو کو تو دہلی اور یو۔پی میں بھی ذبح کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے آئین میں تو آردو کو آٹھویں شیڈول میں ہندوستان کی ایک علاقائی زبان تسلیم کیا گیا ہے چودہ علاقائی زبانوں میں سے ایک آردو بھی ہے آئین کی دفعہ (۲۹) (۱) زبان اور کلچر کے متعلق بنیادی حقوق کا تحفظ کرتی ہے۔

یو۔پی میں بھی آردو پر مہلک حملہ کیا گیا وہ صرف یہ کہ جسے آردو کا گڈھ کہا جاتا تھا آردو سے محروم بنانے کے لئے سرکاری اثر و رسوخ کا ڈنڈہ اٹھایا جانے لگا۔ ٹنڈن جی مہاراج اور آپ کے دوسرے ہندو کانگریسیوں نے ایسے بیانات دینے شروع کر دئیے جس سے یہہ ثابت ہو کہ آردو پرائے دیش کی زبان ہے۔ حامیان آردو جن میں ہندوؤں کی تعداد کم نہ تھی سوچ میں پڑ گئے۔ کہ اس حملہ کو کس ڈھنگ میں روکا جائے بہت سے مسلم لیگی لیڈروں نے یہہ تجویز کی کہ اسے مسلمانوں کی زبان کہہ دیا جائے۔ تاکہ اسے ختم تو نہ کیا جاسکے۔ مگر یہہ مسلمانوں کی زبان تو نہیں تھی۔ اسے مسلمانوں کی زبان قرار دینا ایک غیر قدرتی بات تھی۔ چنانچہ یہہ غیر قدرتی بات نہ چل سکی۔ پھر اور تجویز کی گئی کہ آئین کی دفعہ ۳۴۷ کے مطابق اسے علاقائی زبان بنانے کی کوشش کی جائے۔

فروری کے آخر تک دستخط وصول کئے جائیں گے

اُردو علاقائی زبان کمیٹی کی مجلس عاملہ کا جلسہ پنڈت کرشن پرشاد کول کی صدارت میں ۱۲ دسمبر کو انجمن ترقی اُردو کے دفتر نظر باغ لکھنؤ میں ہوا۔ مجلس کے دوسرے اراکین کے علاوہ قاضی عبدالغفار (جنرل سکریٹری انجمن ترقی اُردو ہند) سردار بلونت سنگھ، مولانا ابوالقاسم، آل احمد سرور اور نیاز فتحپوری نے شرکت کی۔

جلسہ کی کارروائی پچھلے جلسہ کی روئداد سے شروع ہوئی جو آنریری سکریٹری سلطانہ بیگم نے پڑھ کر سنائی۔ اس کے بعد کمیٹی کے جنرل سکریٹری حیات اللہ انصاری نے کانپور کے دورے کی رپورٹ پیش کی۔ انہوں نے بتایا کہ محضر پر دستخط حاصل کرنے کے لئے انجمن تحفظ اُردو نے پورا تعاون کیا اور ا۔کے اوسط سے تقریباً تیس ہزار دستخط حاصل کئے جا چکے ہیں۔ سلطانہ بیگم نے اپنے میرٹھ کے دورے کے تاثرات بیان کئے۔ انہوں نے بتایا کہ میرٹھ سے ایک لاکھ تیرہ ہزار دستخط دفتر میں موصول ہوچکے ہیں۔ میرٹھ کے کارکنوں نے مزید سوا لاکھ دستخطوں کا وعدہ کیا ہے۔ سکریٹری نے کام کی رپورٹ سناتے ہوئے بتایا کہ اس وقت سوا چار سو مقامات پر ہمارا کام ہو رہا ہے اور دس لاکھ کے قریب دستخط آ چکے ہیں۔ کام بہت زور وشور سے چل رہا ہے اور اگر تاریخ بڑھادی جائے تو مہینے دو مہینے میں دستخطوں کی بہت بڑی تعداد آ جائے گی مجلس نے غور کے بعد طے کیا کہ اب تاریخ بڑھانا مناسب نہیں۔ فارموں کی ترتیب کا کام جو جنوری سے باقاعدہ شروع ہوگا فروری کے آخر تک جاری رہے گا۔ اس عرصہ میں جو دستخط شدہ فارم دفتر میں موصول ہونگے ان کو قبول کرلیا جائے۔ نئی اور پرانی شاخوں کو چاہیے کہ زیادہ سرگرمی سے کام کریں۔ اور زیادہ سے زیادہ فارموں پر دستخط حاصل کرکے صدر دفتر کو بھیجیں۔ مجلس نے یہ بھی طے کیا کہ سفیر اپنے علاقوں میں دورے جاری رکھیں کے اور جن جگہوں پر کام نہیں ہوا ہے یا کام کی رفتار سست ہے وہاں زیادہ توجہ دیں کے اور تحریک کو کامیاب بنانے کی امکانی کوشش کریں گے۔

کانپور

۲۹ نومبر ۱۹۷۲ ع بمقام حلیم مسلم کالج کانپور ایک ادبی کانفرنس زیر اہتمام مقامی انجمن ترقی اُردو منعقد ہوئی۔ صدارتی فرائض جناب کرشن سہائے صاحب وحشی نے ادا فرمائے۔

وحشی صاحب نے اپنے خطبۂ صدارت میں اجمالاً اس بات کی طرف اشارہ فرمایا کہ غلطی سے یہ سمجھ لیا گیا ہے کہ اُردو محض مسلمانوں کی زبان ہے اور چند سیاسی وجوہ کی بنا پر اسے فنا کرنے کی کوشش برابر کی جارہی ہے لیکن غور فرمائے کہ جو زبان برسہا برس کے ہندو مسلم اتحاد و اتفاق کے نتیجہ کے طور پر وجود میں آئی اور پروان چڑھی وہ کس طرح تعصب و نفرت کی نذر ہو سکتی ہے ہم ہندی کے مخالف نہیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ ہندی زبان پھولے پھلے۔ مگر یہ کہاں کا انصاف ہے کہ موافقین ہندی شب و روز اُردو کی مخالفت پر کمربستہ ہیں۔ ہم ہندی کی ترقی کے ساتھ اُردو کو اس کا جائز حق دلوانا چاہتے ہیں اس سلسلہ میں صرف شہر کانپور سے ۴۰ - ۵۰ ہزار دستخط حاصل کرکے صدر جمہوریہ ہند کی خدمت میں پیش کئے جائینگے۔

علامہ اقبال سہیل اعظمی نے اپنے افتتاحیہ خطبہ میں فرمایا کہ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ وہ ہندو قوم جو اس قدر فراخدل ہے کہ جہاں پانی کی دو موجوں کا سنگم ہوتا ہے اس جگہہ کی عبادت کرنا اپنا فرض سمجھتی ہے لیکن وہ اُردو زبان جسمیں دو تمدن اور تہذیبیں ملتی ہیں اس سے کیوں کر نفرت کرسکتی ہے دریاؤں کے سنگم سے بڑھکر تہذیبوں کا سنگم ہوتا ہے۔

در اصل انگلینڈ کے "نعرہ تفرق" نے یہ سب گل کھلائے ہیں۔ برہم کے بدلے مصیبت کو فروغ دینا ہندو دھرم کے قطعی خلاف ہے اور ملکی ترقی کے لئے سخت مضر۔

اس کے بعد سب سے پہلے صدر کی جانب سے مولانا حسرت موہانی اور گنگا دھرم ناتھ صاحب فرحت کانپوری کے متعلق تعزیتی تجویز پیش ہوئی۔

محمد احمد صاحب زخموی پرنسپل حلیم کالج کانپور نے رسالہ "زمانہ" کے جدید اجراء کے متعلق ایک تجویز پیش کی اور فرمایا کہ "زمانہ"

نے اردو ادب کی گرانقدر خدمات انجام دی ہیں اس کا تقاضہ ہے کہ اس کو پھر سے جاری کیا جائے۔

خواتین میں انجمن ترقی اردو کی علیحدہ شاخوں کے قیام کے متعلق تجویز کو واڈ عبدالسمیع صاحب نے پیش کیا۔

پانچویں تجویز مرکز سے اہم شاخوں کی امداد کے متعلق تھی۔ اسکی تحریک جناب ایس۔ ایم' معین۔ ام۔ اے (علیگ) اور تائید عبدالعزیز صاحب انصاری ام۔ اے۔ نے فرمائی۔

آخری تجویز میں کہا گیا کہ کانپور میں مستقبل قریب میں ایک کل ہند اردو کانفرنس کی جائے اور اسی کے ساتھ ساتھ ایک علمی نمائش اور شعراء کانفرنس بھی۔

شہر کے رئیس الحاج بابو محمد حمزہ صاحب نے بھی اس تحریک کا خیر مقدم کیا اور طے پایا کہ یہ کانفرنس اپریل میں کی جائے۔

کتابیں اور رسالے

"پیشوا" رسول نمبر

قیمت ایک روپیہ۔ ملنے کا پتہ منیجر پیشوا اردو بازار جامع مسجد دہلی۔

پیشوا مشہور مذہبی رسالہ ہے جس کے اڈیٹر سید عزیز حسن صاحب بقائی ہیں جنہوں نے بہت سی ملکی، قومی اور مذہبی خدمتیں انجام دی ہیں۔ اور نمبروں کے نکالنے کا اور ان کی تہذیب اور ترتیب کا تو انہیں خاص سلیقہ ہے۔ زیر نظر رسول نمبر بھی ایک خاص چیز ہے۔

"مطالعے اور جائزے"

قیمت دو روپے آٹھ آنے۔ ملنے کا پتہ مکتبہ جامعہ لمیٹیڈ دہلی۔

مطالعے اور جائزے بقول مصنف راجند ناتھ شیدا کے تنقیدی مضامین کا پہلا مجموعہ ہے۔ تنقید اور جائزے میں بڑا فرق ہے ان مضامین میں کوئی قابل ذکر خصوصیت نہیں پائی جاتی۔ تنقید کا فن اس قسم کا فن ہے کہ ہر شخص کو اس پر قلم اٹھانے کی زحمت نہ کرنی چاہیئے۔ اردو زبان میں دو تین ہی نقاد ایسے ہیں جن کی تنقیدات قابل توجہ ہوسکتی ہیں۔

"زندگی کی لہر"

قیمت تین روپے۔ ملنے کا پتہ:۔ جامعہ بک کلب جامعہ نگر دہلی۔

زندگی کی لہر جامعہ کلب کی پہلی کتاب ہے جو اس نے اپنے ممبروں کے لئے شائع کی ہے۔ اس کی مصنفہ آزاڈ ادیبہ ساورتنگ ہیں۔ جنہوں نے اپنی زندگی کے نقوش میں ادب کا رنگ بھر کر پیش کیا ہے اور جو چین کی نئی زندگی میں ہر جگہ نمایاں ہے۔

"وجد"

قیمت ایک روپیہ آٹھ آنہ۔ ملنے کا پتہ۔ انجمن ترقی اردو (ہند) علی گڈھ۔

حیدرآباد کے مشہور شاعر سکندر علی صاحب وجد کے کلام کا مختصر انتخاب ہے۔ وجد صاحب کا نام اردو شعرو ادب سے ذوق رکھنے والے احباب کے لئے نیا نہیں ہے۔ وہ اپنے اسلوب بیان اور ایک خاص انداز فکر کی وجہ سے اپنا ایک خاص مقام رکھتے ہیں اور جو کچھ بھی کہتے ہیں اس میں ان کا فطری سوز و گداز نمایاں رہتا ہے۔

"کمار سمبھو"

قیمت پانچ روپے محصول ڈاک الگ۔ ملنے کا پتہ۔ انجمن ترقی اردو بک ڈپو اردو بازار دہلی۔ کمار سمبھو سنسکرت کے شاعر اعظم کالیداس کی ایک مشہور نظم ہے جسکا دلکش ترجمہ جناب منور لکھنوی نے غیر معمولی محنت اور کاوش سے پیش کیا ہے جو نظر انداز کردینے والی خامیوں کے ہوتے ہوئے بھی اردو ادب میں ایک قابل قدر اضافہ ہے۔ منور صاحب کو ترجمہ میں بڑی مہارت ہے۔ اس سے پہلے بھی ان کے کئی ترجمے مقبول ہوکر شائع ہوچکے۔

"الکلام"

سالانہ چندہ پانچ روپیہ ملنے کا پتہ۔ جامع مسجد۔ باندرہ بمبئی نمبر ۲۔ الکلام ماہانہ مذہبی اور تعلیمی رسالہ ہے جس کا ٹائٹل پیج نہایت ہی نظر نواز ہوتا ہے۔ اس رسالہ کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ اس کے ذریعہ

مذہب، تعلیم اور ادب کے نام پر گندگی کا بیوپار نہیں کیا جاتا ورنہ بمبئی جیسے شہر میں ایسے اچھے رسالے کو اشتہاروں کی کیا کمی ہوسکتی ہے۔ اس کے کارکنان اور ادارے میں وقت کے نبض شناس اصحاب شامل ہیں اور رسالہ کو محنت کے ساتھ مرتب کرتے ہیں۔

یاد ایام (قیمت چار روپیہ۔ ملنے کا پتہ مسلم ایجوکیشنل کانفرنس علی گڈھ۔

"یاد ایام" نواب صاحب چھتاری۔ یعنی نواب حافظ محمد احمد سعید خان صاحب کا خود نوشت تذکرہ ہے۔ جس کے انداز تحریر میں ایک خاص قسم کی دل کشی اور دیانت پائی جاتی ہے اور یہہ خوبی بہت کم تذکرہ نگاروں میں ملتی ہے "ایسی کتابوں سے یہی فائدہ یہہ ہوتا ہے کہ اس سے ملک کی ترقی و تنزل کے اسباب معلوم ہوتے ہیں اور بقول سرتاج بہادر مرحوم "ایسی کتابوں سے تاریخ کا مواد تیار ہوجاتا ہے"۔

"نشیمن"

(سالانہ چندہ پانچ روپیہ۔ ملنے کا پتہ۔ آردو سوسائٹی مٹیا برج کلکتہ ۲۲) نشیمن آردو سوسائٹی مٹیا برج کلکتہ ۲۲ کا ماہانہ قیمتی ہے جس کی اشاعت کا مقصد۔ آردو زبان اور ادب کی خدمت ہے۔ اس رسالے کی سب سے بڑی خوبی یہہ ہے کہ اس کا دامن فلمیات اور خاص کر عصبی کی گندگی سے پاک ہے اور عمومی حیثیت سے اس قابل ہے کہ شریف گھرانوں میں داخلے کی اجازت دی جاسکتی ہے۔

تبصرے

ادوار فلسفہ (از جناب ظفر حسین خان صاحب۔ تقطیع متوسط ضخامت ۳۶۸ صفحات کتابت و طباعت بہتر قیمت مجلد پانچ روپے آٹھ آنے شائع کردہ انجمن ترقی آردو (ہند) علی گڈھ۔)

انگریزی میں پروفیسر ولیم ارنسٹ ھاکنگ کی کتاب "ٹائپس آف فلاسفی" فلسفہ کے علما اور طلباء میں بہت مشہور و مقبول کتاب ہے جس میں فاضل مصنف نے عام فہم اور سلیس و دلچسپ انداز بیان میں فلسفہ کی تعریف مختلف ادوار میں اس کی شکلیں اور اس کے مدارج ارتقا اور پھر مختلف نقطہاے نظر کے ماتحت اس کی مختلف شاخیں اور اسکول وغیرہ مباحث پر گفتگو کرکے ہر ایک قسم یا اسکول کی تشریح کی ہے۔ زیر تبصرہ کتاب اسی کا آردو ترجمہ ہے۔ لائق مترجم نے اصل کتاب کی خصوصیت یعنی سہولت و شستگی بیان کا ترجمہ میں بھی کافی لحاظ رکھا ہے۔ یہاں تک کہ بہ ظاہر ترجمہ ترجمہ نہیں معلوم ہوتا بلکہ ترجمہ پر اصل کا دھوکہ ہوجاتا ہے۔ اس حیثیت سے اس کتاب کی اشاعت سے آردو میں فلسفہ کی کتابوں کے ذخیرہ میں ایک مفید اضافہ ہوا ہے۔ کتاب ۲۰ ابواب پر مشتمل ہے شروع میں لائق مترجم کا مقدمہ ہے جس میں اصل کتاب اور اس کے مصنف سے انہوں نے تعارف کرایا ہے اور آخر میں فرہنگ اصطلاحات ہے جس میں آردو کے ساتھ انگریزی کے مترادفات دئے گئے ہیں۔ اور پھر آردو زبان میں فلسفہ کی منتخب کتابوں کی ایک فہرست ہے فلسفہ کے طلباء کے علاوہ آردو کے عام ذی استعداد حضرات کے لئے بھی اس کتاب کا مطالعہ مفید اور بصیرت افزا ہوگا۔ (برہان)

اطلاقی سماجیات (از ڈاکٹر جعفر حسین تقطیع متوسط ضخامت ۲۳۸ صفحات کتابت و طباعت بہتر قیمت پانچ روپیہ شائع کردہ انجمن ترقی آردو (ہند) علی گڈھ۔)

"اطلاقی سماجیات خوش حالی کے اس علم کا نام ہے جس میں سماج اور تمدن کی خرابیاں اور برائیاں زیر بحث آتی ہیں اور جس میں ان کی اصلاح کے طریقوں پر گفتگو کی جاتی ہے۔ یوں تو آردو میں اس موضوع پر مختلف عنوانات

کے ماتحت اور بھی کتابیں لکھی جاچکی ہیں لیکن غالباً یہہ پہلی کتاب ہے جس میں سائنٹیفک اور فنی طریقہ پر اس موضوع پر گفتگو کی گئی ہے۔ شروع میں ایک تمہید ہے جس میں لائق مصنف نے اس فن کی تعریف اور اس کی غایت و موضوع پر کلام کرنے کے بعد دوسرے علوم وفنون سے اس فن کا تعلق اور رشتہ بتایا ہے اور اس کی ضرورت و اہمیت پر روشنی ڈالی ہے۔ اس کے بعد آٹھ ابواب ہیں جن میں دولت اور خوش حالی کی تعریف کرنے کے بعد ان کی مختلف قسمیں اور ان کا باہمی رشتہ اور خوش حالی کے لوازم اور شرطیں پھر سماجی امراض افلاس، عیب اور جرم، ان کی حقیقت ان کے اثرات اور نتائج اسکے بعد معیار زندگی کے مختلف مدارج اور اس کا سماجیاتی مفہوم اور پھر سماجی سیاست اور سماجی اصلاح وغیرہ کے طریقے ان سب پر فنکارانہ گفتگو کی گئی ہے۔ زبان صاف و سلیس اور عام فہم ہے لیکن حیدرآباد میں علمی اصطلاحات کو اردو کا قالب دینے کی جو کوششیں کی گئی ہیں ان کا اثر جگہ جگہ اس کتاب میں ظاہر ہے جس کی وجہ سے ان لوگوں کو جو ان نئے الفاظ سے مانوس نہیں ہیں یک گونہ وحشت کا ہونا لازمی ہے۔ پھر یہہ عجیب بات ہے کہ فاضل مصنف نے عربی اور فارسی کے متداول اور رواں الفاظ کو استعمال کرنے میں بخل سے کام نہیں لیا ہے لیکن اس کے باوجود انھوں نے "ضمیمہ" کو "جڑاو" لکھا ہے۔ ہم نے خود جب پہلی مرتبہ یہہ لفظ دیکھا تو سمجھہ میں نہیں آیا۔ پھر سیاق و سباق سے معلوم ہوا کہ یہہ ضمیمہ کا ترجمہ ہے۔ بہرحال کتاب مفید اور مطالعہ کے لائق ہے اس کے مطالعہ سے بہت سی ایسی باتیں معلوم ہوں گی جن کو آدمی روزانہ یا اکثر اپنے سماجی ماحول میں دیکھتا اور محسوس کرتا ہے مگر نہ تو وہ اس کی صحیح تعبیر کر سکتا ہے اور نہ اسکی کوئی معقول توجیہ اس کی سمجھہ میں آتی ہے۔

اسلامی فن تعمیر (از جناب سید مبارزالدین رفعت ایم۔اے (عثمانیہ) تقطیع متوسط ضخامت ۲۳۰ صفحات کتابت وطباعت بہتر قیمت مجلد ۲ روپیہ شائع کردہ انجمن ترقی اردو (ہند) علی گڈھ) یہہ کتاب ارنسٹ ڈ ہیام رچمنڈ کی کتاب کا ترجمہ ہے۔ جو ایک زمانہ میں مجلس برائے تحفظ آثار عرب مصریہ کا اسسٹنٹ انجینیر تھا اس میں مصنف نے اسلامی فن تعمیر کی خصوصیات۔ عہد بعہد اس کا ارتقاء۔ اور اس کے طبعی وتاریخی اسباب وعلل پر گفتگو کی ہے اور سنہ ۶۲۳ ع یعنی سال ہجرت سے لے کر سنہ ۱۶۱۰ ع یعنی مصر میں عہد مالیک تک بلاد عرب میں جو اسلامی تعمیرات ہوئی ہیں ان کا ذکر بحیثیت ایک فن تعمیر کے ماہر کے کیا ہے۔ کتاب کے مفید اور معلومات افزا ہونے میں کلام نہیں۔ لیکن افسوس ہے کہ مصنف نے بعض عمارتوں کا تاریخی پس منظر بیان کرتے وقت چونکہ مسلمان مصنفین کے بجائے مغربی مورخین کے بیان پر اعتماد کیا ہے اس لئے ان کے قلم سے بعض باتیں ایسی نکل گئی ہیں جو خود تاریخی اعتبار سے لائق قبول نہیں ہیں۔ مثلاً یہہ کہ "حضرت ابو بکر رض نے سنہ ۶۳۳ ع کے اختتام سے کچھہ پہلے باز نطینی سلطنت کی شامی سرحدوں اور ایران کی سرحدوں ان دونوں کے راستوں پر چھاپے مارنے اور لوٹنے کے لئے اسلامی فوجیں روانہ کیں۔" یا غیر مسلموں کی نسبت یہہ لکھنا کہ وہ اسلام اس لئے قبول کرتے تھے کہ اس سماجی کمتری کی لعنت سے بچ جائیں جو ان پر مسلط کی جاتی تھی۔ بہرحال ترجمہ صاف وسلیس اور رواں ہے اگرچہ کہیں کہیں اغلاق پیدا ہوگیا ہے امید ہے کہ ارباب ذوق اس کی قدر کریں گے اور اس کے مطالعہ سے فائدہ اٹھائیں گے۔

(برہان)

باہتمام عزیز حسین منیجر نیشنل پرنٹرس کمپنی میں چھپا اور قاضی عبدالغفار صاحب پبلشر نے صدر دفتر انجمن ترقی اردو (ہند) علی گڈھ سے شائع کیا۔